ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر صائمہ اقبال
لیکچرار شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ، فیصل آباد
ڈاکٹر عرفان توحید
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
روبینہ کوثر
پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی ، فیصل آباد

مستنصر حسین تارڑ کے ناول " بہاؤ" میں معاشی تصورات

Dr. Saima Iqbal
Lecturer Department of Urdu, GC University, Faisalabad
Dr. Irfan Tauheed
Assistant Professor Department of Urdu, Lahore Leads University, Lahore
Robina Kausar
PhD Urdu Scholar, GC University, Faisalabad

Economic Concepts in Mustansar Hussain Tarar's Novel "Bahao"

Mustansar Hussain Tarar (born 1st march 1939) is a Pakistani author, travel enthusiast, mountaineer, writer, novelist, columnist, TV host and former actor. "Bahao" is his famous novel. "Bahao" novel is a description of ancient history. "Bahao" has presented economic concepts related to BC. The author has informed us about the economic system of 1700 BC. Where there is no concept of money. Items are bought and sold through the barter system .The biggest source of livelihood is the big flowing water and the rain water falling from the sky. All the livelihoods of the township are connected with these two sources. In this article, economic concepts are presented in the novel "Bahao".

Key Words: *Mustansar Hussain Tarar, novel, Bahao, economic concepts.*

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

مستنصر حسین تارڑ یکم / مارچ / ۱۹۳۹ء کو پنجاب کے شہر لاہور میں پیدا ہوئے۔ مستنصر حسین تارڑ کو ٹیلی ویژن ڈراموں، سفر ناموں، ناولٹوں، ناولوں، افسانوں، کالموں کے مصنف اور ٹیلی ویژن اداکار، کمپیئر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ ادبی دنیا میں ان کی شناخت ان کے ناول ہیں۔ انہوں نے 'فاختہ" پکھیرو'(اردو میں ' پرندے') دیس ہوئے پردیس۔ 'جپسی' ' پیار کا شہر' کے نام سے پر کشش ناولٹ لکھے لیکن جس تخلیق نے مستنصر حسین تارڑ کے ناول نگار ہونے کی حیثیت میں اہم ستون کا کردار ادا کیا، وہ ناول "بہاؤ" (۱۹۹۳ء) ہے۔ 'بہاؤ' کے بعد ناول "راکھ" (۱۹۹۷ء) شائع ہوا۔ اس کے بعد ان کا ناول " قربت مرگ میں محبت" مئی (۲۰۰۱ء) "قلعہ جنگی" (۲۰۰۲ء)"اے غزال شب" (۲۰۱۰ء)اور " منطق الطیر" (۲۰۱۷ء) بھی منظر عام پر آچکے ہیں۔

بہاؤ

"بہاؤ" ناول میں قدیم تاریخ کا بیان ہے۔ جب برصغیر کی عظیم وادیٔ سندھ (بشمول پنجاب، پوٹھوہار، سرحد) میں آریائی قبیلوں کو آباد ہوئے ایک عرصہ بیت چکا تھا۔ آبادکاری کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔اس وقت قدیم مقامی دراوڑ نسلیں آریاؤں کی غلام بن چکی تھیں۔ لیکن موہنجو ڈارو، ہڑپہ جیسے شہر کی دو دریاؤں کے کنارے آباد ہونے والی بستیاں ابھی آریائی دسترس سے محفوظ تھیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول "بہاؤ" میں ۱۷۰۰ ق م سے متعلق معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ اس ناول میں مجموعی پر دو طبقات کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ پہلا امیر اور دوسرا متوسط طبقہ ہے۔

متوسط طبقے کے اہم نمائندے اور ان کے پیشوں کی تفصیل اس طرح سے ہے: پاروشنی کا کام چھپروں کے گھڑوں میں پانی بھرنا، پکلی کا کام برتن بنانا اور پکانا، کاگری کا کام بھوکڑ مارنا یا چھپر بنانا، چیوا کا کام بکریاں چرانا، سمرو کا کام منکے، موتی اور مہریں گھڑنا تھا، اس کے علاوہ دریائی سیپوں پر بیل بوٹے بنانا اور کھیتی کا سامان بھی بنانا تھا، دھروا کا کام مقدس زینو بیلوں کو پالنا، ڈرواکا کام بھٹے پر اینٹیں بنانا تھا۔ ماتی کھیتوں میں کام آتی ہے اپنے بیٹوں کے ساتھ، کولی بستی والوں کے لیے اپلے بناتی تھی۔ سکھی گاؤں والوں کے لیے تنور پر روٹیاں لگاتی، من ماسا جنگل میں درختوں پر رہتا تھا اس لیے اس کو کسی معاش کی ضرورت نہ تھی۔ ورچن مختلف مقامات کی سیر کرتا تھا اس لیے اس کا بھی کوئی خاص پیشہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ ساحلوں پر کشتیاں چلانے والے بھی موجود ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس ناول میں بھٹے کے مالک امیر طبقہ کے نمائندے ہیں جو غریب مزدوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ان سب کے علاوہ اس بستی کا دریا اور آسمان سے برسنے والا پانی سب سے بڑا معاش کا ذریعہ تھا۔ کیونکہ ان دونوں کے نہ آنے سے بستی کے تمام پیشے ختم ہو جاتے ہیں۔ بستی کا بنیادی ذریعہ معاش زراعت ہے۔

''بہاؤ'' میں دریائے گھاگھرا کے کنارے آباد بستی کا ذکر ہے۔ یہ اس کے باشندے دراوڑ نسل کے ہیں۔ ان لوگوں کے معاش کا سب سے بڑا ذریعہ جہاں بہتا دریا ہے۔ پہاڑوں کے گلیشئر پگھلنے اور بارش ہونے پر بڑے پانی آتے تھے اور کنارے پر بنے ہوئے بستی کے کھیتوں کو سیر اب کرتے، مٹی کی ذرخیز تہ بچھا کر واپس دریا میں چلے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ مقامی لوگوں کے اپنے اپنے پیشے تھے اور زیادہ پیشے سانجھے پر مشتمل تھے۔ ناول کے آغاز میں ایک پرندہ پیاس کی وجہ سے سوکھی جھیل کے کنارے درختوں میں گر کر مر جاتا ہے۔ بستی کے کنارے دریائے گھاگھرا بہتا ہے۔ اسی بستی میں ایک کردار ماتی ہے جو اپنے تین بیٹوں کے ساتھ رہتی ہے۔ بستی میں ایک بوڑھا دھرواہے جو دریا کے خشک ہونے تک مقدس بیلوں کی حفاظت کرتا ہے۔ پکلی بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ برتن بناتی ہے۔ اور فنکار سمرو بھی اس بستی میں رہتا ہے۔ گاگری بھی بستی والوں کے لیے ماس کا انتظام کرتی ہے۔

اس ناول میں حیوانی کردار بھی ہیں جن میں دیوتا کے کتے، پندروہرن، می آؤں کرتا مور اور جنگلی بھینسا جو سانس دینے والا 'انانکو' ہے۔ ڈوبو مٹی اور بھکشوٹیلے بھی سانس لیتے نظر آتے ہیں۔ بستی اجڑ جاتی ہے۔ ورچن موت سے بچنے کے لیے ڈور گا کو لے کر بستی سے نکل جاتا ہے۔ لیکن پاروشنی نے بستی چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ مٹھی بھر کنک موجود ہے۔ جو زندگی کی علامت ہے۔ مستنصر حسین تارڑ اس ناول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''بہاؤ' کی بستی میں نے خود آباد کی تھی۔ وہاں کے جنگل بیلے میں نے تخلیق کیے تھے۔ درخت، جانور، جھاڑیاں، دلدل، دریا سب میری تخلیق تھے اور اس کی تخلیق میں مجھے تحقیق سے بہت مدد لینی پڑی۔''(۱)

مصنف نے قبل آریائی، مصری تہذیبوں، قدیم اساطیر، خوابوں کی تعمیر، نباتات وغیرہ کے متعلق موجود تحقیقی مواد، رگ وید اور ابنِ حنیف، علی عباس جلالپوری، عین الحق فرید کوٹی جیسے اہل علم سے استفادہ کیا۔ مستنصر حسین تارڑ نے بدھ مت اور موریہ سلطنت کے ظہور سے بھی قبل آریائی کلچر سے بات شروع کی ہے۔ اس طرح

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

اس ناول میں قدیم دور کا ذکر کر کے مصنف نے اس قدیم دور سے متعلق معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

> ''بہاؤ'' قبل تاریخ کے اس دور کی باز آفرینی کرتا ہے جب دریائے سندھ کی گھاٹی میں شمال مغرب کی جانب سے آریوں کی آمد شروع ہوگئی تھی۔ حالانکہ اس دور کی جو ۲۳۰۰ ق۔م سے ۱۷۵۰ ق۔م پر مبنی ہے، مربوط تاریخ نہیں ملتی لیکن کھدائیوں، سکوں، مہروں، برتنوں اوراوزاروں وغیرہ کی مدد سے مؤرخین نے جنوبی ایشیاء کی اس عظیم تہذیب پر تحقیقی نتائج بر آمد کیے ہیں۔'' (۲)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''بہاؤ'' کہانی کا زمانہ ۱۷۰۰ ق۔م کے لگ بھگ ہے۔اس طرح مصنف نے ہمیں ۱۷۰۰ ق م کے معاشی نظام سے آگاہی دی ہے۔ جہاں روپے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ چیزوں کی خرید و فروخت بارٹر سسٹم کے ذریعے ہوتی ہے۔ ٹیری واس بھی بستیوں میں آتے ہیں جو مختلف چیزیں دے کر مقامی چیزیں لے جاتے ہیں۔بستیوں کا سارا کام سانجھ کے ذریعے ہوتا ہے۔ایک انسان پوری بستی کے لیے کام کرتا ہے۔ معاش کا سب سے بڑا ذریعہ بہتے ہوئے بڑے پانی اور آسمان سے گرتا ہوا بارش کا پانی ہے۔ انہی دو ذرائع کے ساتھ بستی کے تمام معاش جڑے ہوئے ہیں۔ جب یہ سوکھ جاتے ہیں تو ان سے منسلک باقی ذرائع معاش خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

پاروشنی ناول کا اہم کردار ہے۔ یہ مرکزی کردار '' مہامّیا'' کا درجہ رکھتا ہے۔ دریائے گھاگھرا کے کنارے بستی میں رہتی ہے۔پوری بستی سانجھے کے نظام پر چلتی ہے۔ پاروشنی کا کام پوری بستی والوں کے لیے پانی کے گھڑے اور جھجرے بھرتا تھا۔ ایک تنگ سی گلی میں اس کا گھر تھا۔اس کے گھر کے اندر کنواں تھا۔ اس کا گھر بھی سروٹ اور گارے سے بنا ہوا تھا:

> '' پاروشنی ایسے راستے سے پہلے چھوٹے کمرے میں آئی ۔ اس کا گھر بھی بستی کے دوسرے گھروں کی طرح سروٹ اور گارے سے بنا تھا لیکن ایک فرق تھا۔ اس نے دیواریں کھڑی کرنے سے پہلے پکی سے پکی ٹھیکریاں لے کر گارے میں ملا دی تھیں۔ یوں مینہ برستا تو دیواریں کھڑی رہتیں اور تھوڑی بہت مٹی گھل جاتی۔ چھوٹے کمرے کے ساتھ ایک راہداری تھی جو پانی کے کمرے میں جاتی تھی اور وہاں کنواں تھا۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

پاروشنی اپنے اسی کنویں کے پانی کو ہر سویر چکھتی اور پھر بڑی جھجھر میں بھر کر بستی کے سارے چھپروں میں باری باری آتی جاتی اور وہاں مٹی سے بنی ہوئی گڑاونی پر رکھے گھڑوں اور جھجھروں میں ڈالتی اور وہاں چھپر بھی بس اتنے ہی تھے جتنی ہاتھ پاؤں کی انگلیاں ہوتی ہیں۔ پاروشنی پانی یوں بھرتی کہ یہ کام اسی کا تھا۔ جیسے بستی کے دوسرے باسی ایک دوسرے کے لیے کام کرتے تھے ایسے پاروشنی کے حصے میں جھجھروں اور گھڑوں کو بھرے رکھنا تھا۔"(۳)

پاروشنی بستی کے باسیوں کو پانی فراہم کرتی تھی۔ اس کے علاوہ اسی کمرے میں ایک پکی اینٹوں کا کھرا تھا نہانے دھونے کو اور اسی کے ساتھ بدن سے پھوک نکالنے کو مٹی کی بیٹھک تھی۔ گاؤں کے سارے باسی بھی اس کو استعمال کرتے تھے۔

پاروشنی اپنے کھانے کے دانے بھی خود ہی گھر میں پیستی تھی۔ اس کے لیے ایک گھر ایک چکی تھی۔ گاؤں کے لوگ ایک ہی دفعہ بہت ساری کنک پیس کر رکھ لیتے تھے لیکن پارو ہر روز اپنے لیے پیستی تھی۔ اس کے علاوہ وہ اوکھلی اور مونگلی کی مدد سے بھی وہ گندم پیس لیتی تھی۔

پاروشنی کی پرورش "ماتی" نے کی تھی۔ پاروشنی سروٹوں میں پڑی ہوئی ملی تھی۔ "ماتی" نے اپنا دودھ پلایا تھا۔ لیکن جب پاروشنی بڑی ہوئی تو اس نے اپنے لیے ایک گھر بنا لیا۔ اب پھر وہ بستی کی ایک رنگ تھی۔ جس کے ذمے سویرے سویرے پانی بھرنا تھا اور اپنے حصے کی زمین کھود کر اس میں بیج ڈالنا تھا اور بڑے پانی کی راہ دیکھنا تھا۔ وہ اپنا کام اس وقت بھی کرتی رہی جب ورچن سے شادی کے بعد وہ پیٹ سے ہوئی تھی۔ وہ سارے چھپروں کے گھڑے اور مٹ اب بھی سویرے سویرے بھرتی تھی اور کھیتوں میں بیج ڈالتی تھی:

"ساون بھادوں کا گُمّا اس کا پنڈا گھلاتا تھا اور وہ اپنا موٹا ہونٹ دانتوں تلے دابے زمین میں کنک کے دانے رکھتی تھی اور ہتھیلی سیمٹی سیمٹی انہیں ڈھکتی تھی۔۔۔۔۔۔۔ پاروشنی کنک کا تھیلا کاندھے سے لٹکائے زمین پر بیٹھتی کسی موٹی بھوکڑ کی طرح ہل ہل کر آگے ہوتی تھی اور کھودی ہوئی زمین میں کنک کے دانے گراتی جاتی تھی۔"(۴)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

پاروشنی یہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ سوچتی تھی کہ ہم جانوروں کی طرح کیوں بندھے ہوئے ہیں۔ ہم کب تک ایسا کرتے چلے جائیں گے۔ کیا یہ ہم سب اناج اور اپنی نسل آگے بڑھانے کے لیے کر رہے ہیں۔ جب ورچن اس کو چھوڑ کر سات برس کے لیے کالی بھنگن چلا گیا تھا۔ پھر بھی وہ ویسی ہی رہی تھی۔ لیکن مینہ نہیں برسا تھا۔ اس وجہ سے پاروشنی پریشان تھی۔ وہ ورچن کو بتاتی ہے:

> ''میں ویسی ہی رہی جیسی تھی۔۔۔ سویرے بستی کی جھجھروں اور مٹکوں میں پانی بھرتی تھی۔ اپنا کھیت کھودتی تھی، سب لوگوں کے ساتھ اوپر دیکھتی تھی کہ مینہ برسے۔۔۔۔ خالی آسمان دیکھتی تھی۔۔۔ تمہیں پتہ ہے کہ باجرے کا بیج ختم ہو گیا ہے۔''(۵)

پاروشنی جانتی تھی کہ دریا کا پانی سوکھ گیا ہے۔ بڑے پانی کبھی نہیں آئیں گے اور کبھی پانی دریا کے کناروں سے نکل کر کھیتوں میں نہیں آئے گا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ جو بیج انہوں نے سنبھال کر رکھا تھا وہ بھی باجرے کے بیج کی طرح گل سڑ جائے گا۔ پھر جانوروں کا چارہ بھی ختم ہو جائے گا۔ سب ختم ہو جائے گا۔

بڑے پانی نہ آنے کی وجہ سے سارے کام کاج بند ہو گئے تھے۔ تمام بستی کے لوگوں کے معاش دریا کے پانی سے وابستہ تھے۔ پاروشنی کے پاس بھی اب کرنے کو کچھ نہ تھا۔ کنویں کا پانی بھی نیچے ہوتا جا رہا تھا۔ کھیت سوکھ گئے تھے۔ پاروشنی کہتی ہے:

> ''تم دیکھتے تھے کہ کنویں کا پانی بھی نیچے ہو گیا تھا۔۔۔ اور تم دیکھتے تھے کہ کتنا نیچے ہوا ہے۔۔۔ ایسا ہوتا تھا۔ ایسا بہت کچھ ابھی ہونا ہے۔''(۶)

بڑے پانی سے پاروشنی کا معاش جڑا ہوا تھا۔ لیکن بڑے پانی کے نہ آنے سے معاش کے تمام ذرائع بند ہو گئے۔ گلیوں میں ریت اڑنے لگی۔ کنویں خشک ہونے لگے، کھیت سوکھ گئے۔ گھر میں خوراک کے ذخیرے ختم ہو گئے۔ اس کے باوجود پاروشنی اپنے گھر اور بستی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ تھوڑی بھوک برداشت کر سکتی تھی لیکن بستی نہیں چھوڑ سکتی تھی، اس نے کنک کے چند دانے سنبھال کر رکھے تھے جب پانی آئے گا تو وہ ان کو کھیتوں میں بوئے گی۔ اس نے ابھی امید کا دامن نہیں چھوڑا تھا:

> ''سب کچھ کبھی بھی گم نہیں ہوتا۔۔۔ کھیت ہرے بھرے ہو جاتے ہیں اگر تمہارے پاس آدھی مٹھی کنک ہو تو۔۔''(۷)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

پاروشنی کو ابھی امید تھی کہ اس کے پاس آدھی مٹھی کنک ہے۔ حالانکہ اس کے گھر کا کنواں بھی ریت دینے لگا تھا۔ جس طرح گھاگھر اخشک ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی سوکھ گئی تھی۔ صرف سانس آتی جاتی تھی۔ لیکن بستی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اس کا سمرو کے ساتھ ملاپ اسی امید کی طرف اشارہ تھا کہ ابھی اس کے پاس آدھی مٹھی کنک ہے۔

سمرو بھی اسی بستی کا باشندہ تھا جو دریائے گھاگھرا کے پاس آباد تھی۔ سمرو کا گھر بھی کچی مٹی اور سروٹ پر مشتمل تھا، پیشے کے اعتبار سے وہ ایسا کاریگر تھا جو دھاتوں سے مختلف اشیاء بناتا تھا۔ مصنف لکھتے ہیں:

> ”وہ صرف منکے اور موتی نہیں بناتا تھا بلکہ مہریں بھی گھڑتا تھا اور دریا کی سیپوں پر بیل بوٹے بھی کھودتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ کسی دور کی بستی سے کوئی عورت آئی جو ہنستی بہت تھی اور وہ ادھر آئی اور آکر کہنے لگی سمرو کہاں ہے؟ کون ہے؟ میں اس سے سیپیوں کے گہنے لوں گی۔ ہاں سمرو جیسا بستی میں کوئی اور نہ تھا۔ اس کی مہروں پر پرندے، ہرن اور دریا کے جنور جیسے کروٹیں لیتے اور اڈاریاں مارتے تھے، وہ سچ مچ کے دکھتے تھے۔ بستی کے لوگ ان مہروں کو بازوؤں پر باندھتے اور اپنے چھپروں کی دیواروں کے ساتھ لگا کر دیکھتے۔ وہ کھیتی کرنے کے لیے پتھر سے کدالیں اور کسیاں بھی بنالیتا تھا۔“(۸)

سمرو نے یہ پیشہ اپنے آباؤ اجداد سے سیکھا تھا۔ اس کے پاس ہڈیوں کے ٹکڑے، پتھر اور مٹی کے ڈھیلے کافی تعداد میں موجود تھے۔ ورچن جب دوسری جگہوں پر جاتا تو اس کے منکے اور موتی اپنے ساتھ لے جاتا تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ اس چھوٹی سی بستی میں اتنا بڑا کاریگر رہتا ہے۔ سمرو اس بات سے آگاہ تھا کہ بڑی بستیوں میں جو چیزیں بنتی ہیں وہ چھوٹی بستیوں سے سیکھ کر بناتے ہیں وہ کہتا ہے:

> ”انہیں ہم بڑا بناتے ہیں، چھوٹی بستیوں والے۔۔ہم نے گھاگرا کے کنارے پر جو کچھ بنایا انہوں نے اس کی سن گن پاکر وہاں یہی کچھ بڑا کر کے بنادیا۔ یہ چوکور مہریں۔۔۔ وہ کہاں بناتے تھے، ادھر گھاگرا کی بستیوں کے میرے جیسے وہاں گئے تو ان کو سکھایا۔۔ یہ

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

برتن اور کھیتی کرنے کے ڈھنگ ادھر سے گئے۔ بیج یہاں کا تھا اور پھوٹا وہاں جا کر اور رکھ ان کے سروں پر چھایا بنا۔"(۹)

سمرو کو اس بات کا شعور تھا کہ چھوٹی بستیاں والے ہی بڑی بستی والوں کو معاش کے طریقے سکھاتے ہیں۔ چھوٹے کاریگر ان بستیوں میں جا کر وہاں کے لوگوں کو سکھا کر آتے ہیں۔ سمرو کے آباؤاجداد کا بھی یہی پیشہ تھا۔ سمرو نے چھوٹے ہوتے اپنے باپ کو بستی کے اندر موجود چٹان کو کاٹتے دیکھا تھا۔ اور اب سمرو چٹان کاٹ کاٹ کر اس سے موتی، منکے اور مہریں بناتا تھا۔ سمرو کو اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے بعد یہ پیشہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ کو ایسا کرتے دیکھتا تھا لیکن اس کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو کل اس چٹان کو کاٹے گا۔ پوری بستی میں صرف یہی ایک چٹان تھی۔ جو سمرو کے لیے تھی:

"۔۔۔۔ چٹان کے گرم جُثّے میں ایک باریک دراڑ پھیلی جسے سمرو نے اپنا پتھر مار مار کر بڑا کیا اور پھر چٹان سے ایک بڑا ٹکڑا الگ ہو کر اس کے پاؤں میں آ گرا۔۔۔ سمرو کے دانت پاؤں کی چوٹ سے بھنچے پر وہ خوش تھا۔ بس ایک اور ٹکڑا۔ تب میں بہت سارے دنوں تک بڑے سکھ سے انہیں کاٹ کاٹ کر اور بنا کر ان میں سے منکے اور گہنے گھڑتا رہوں گا۔ آس پاس رکھوں میں یا ان کے پار کہیں بھی کوئی چٹان نہ تھی، صرف یہاں دریا کے ساتھ ریت کے اندر یہ پھیلی ہوئی تھی شائد صرف سمرو کے لیے۔"(۱۰)

بستی کے لوگ جب کھیتوں میں بیج ڈال کر فارغ ہوئے تو سمرو کے پاس آجاتے تھے۔ سارا سارا دن سمرو کے پاس رہتے تھے۔ اس سے اپنی مرضی کی مہریں اور منکے بنواتے تھے۔ انہیں بازو پر باندھتے اور گلے میں ڈالتے تھے۔ بستی کے لوگوں میں سے سمرو کو سب سے زیادہ پیاس لگتی تھی۔ وہ پانی کا بہت استعمال کرتا تھا۔ اس کے پاس گھڑے میں پانی رہتا تھا۔ رات کو وہ اٹھ اٹھ کر پانی پیتا تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ سارا سارا دن آگ کے آگے کام کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے جسم کو پانی کی زیادہ ضرورت ہے۔ سمرو ہی وہ پہلا شخص تھا جس کو اندازہ ہوا تھا کہ گرمی بڑھتی جا رہی ہے اور پانی کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہوائیں اس کے گھڑے کے پانی کو پی رہی ہیں اور دریا کا پانی بھی آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

پکلی بھی اسی بستی میں رہتی تھی۔ یہ پیشے کے اعتبار سے کمہارن تھی۔ مٹی سے مختلف چیزیں بناتی تھی۔ وہ بڑے بڑے مرتبان بھی بناتی تھی جس میں مرنے کے بعد بستی کے لوگوں کو ڈال کر دریا کی دوسری طرف چھوڑ آتے تھے۔ پکلی کا شوہر اس کے کام میں ہاتھ نہیں بٹاتا تھا۔ لیکن اس کے دونوں بیٹے پنڈو اور سکرا اس کے کام میں اس کی مدد کرتے تھے۔ پکلی کو اپنے پیشے سے بہت محبت تھی۔ وہ مٹی سے ہر قسم کے برتن بناتی تھی اور گیلی ٹہنیوں کو اپنے منہ میں دبا دبا کر نرم کرتی اور گیلے برتنوں پر پھول بناتی تھی۔ وہ ٹپری واسوں سے اپنے برتنوں کے لیے گیری خریدتی تھی۔ گیری عموماً تین رنگ کی ہوتی تھی، کالی، پیلی اور رَتی۔ پکلی اس کو گھول کر اپنے برتنوں میں پینٹ کرتی تھی۔ برتنوں میں مختلف پھولوں، جانوروں اور سمندری مچھلیوں کی تصویریں بناتی تھی۔ پاروشنی نے جب پکلی سے پوچھا کہ یہ ڈیزائن کیسے بنالیتی ہے تو پکلی نے کہا:

> ”ہاں یہ بیل بوٹے؟۔۔۔ یہ بیل بوٹے میرے سر میں نہیں آئے۔ یہ تو ٹہنیوں میں ہوتے ہیں اور آپ ہی آپ جھجھروں، صحنکوں، چاٹیوں، ڈولوں اور گھڑوں پر بن جاتے ہیں۔۔۔“ ”اور یہ جھجھروں پر مچھلی کے چانے کیوں بناتی ہو؟“
> ”تجھے بتایا ہے کہ آپ بنتے ہیں۔ اور مجھے تو ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ یہ جو میں بناتی ہوں تو مچھلی کے چانے ہیں، تو نے آج بتایا ہے۔“
> ”جھجھر اور گھڑے میں پانی ہوتا ہے اس لیے اس پر پانی کے جنور کی مورت بناتے ہیں پکلی۔“(۱۱)

پکلی کو اپنے پیشے پر بہت مان تھا۔ جب دریا سوکھ گیا اور بارش نہ ہو تو کھیتی کا کام ختم ہوا تو پکلی کا کام بھی ختم ہو گیا تھا۔ کیونکہ اب لوگوں کو اس کی ضرورت نہ تھی۔ جب بستی والے اپنے گھروں کو چھوڑ کر دریا کے کنارے آ گئے تو پکلی بھی ان کے ساتھ پانی کو دیکھنے کے لیے آ گئی تھی۔ پھر اچانک ایک دن اس نے آوا چڑھایا۔ اس کا شوہر بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر اسے چھوڑ گیا تھا۔ گھڑوں اور جھجروں کی ابھی ضرورت نہ تھی کیونکہ پانی نہ تھا۔ اس نے آوا چڑھایا۔ وہ زیادہ گھڑے بنانا چاہتی تھی۔ تاکہ ان کو دریا کے کنارے رکھا جائے جس کو دیکھ کر دریا میں پانی آ جائے گا۔ لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ دریا میں پانی نہیں آئے گا۔ ڈرو گا کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اس نے یہ برتن اور ان پر پھول کیوں بنائے تھے۔ ڈرو گا نے پوچھا:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"تو نے اتنی محنت سے جو گھڑے بنائے ہیں اور ان پر پھول بوٹے اکیلے ہیں اور آوا چڑھا کر انہیں پکایا ہے اور اب وہ گھا گرا کے کنارے خالی پڑے ہیں تو وہ بھریں گے۔۔۔۔"(۱۲)

ڈرو گا کا یہ سوال سن کر پکلی اس کو جواب دیتی ہے:

"نہیں بھریں گے۔۔۔" پکلی بولی "میں نے گھڑے اس لیے تو نہیں بنائے کہ ان میں پانی بھرے گا۔۔۔۔ کہاں سے بھرے گا۔۔ وہ تو گم ہوا اور ساتھ میں اس بستی کو بھی لے گیا۔۔۔ تو نے دیکھا نہیں کہ میں نے اس بار جو دن رات ایک کر کے ان گھڑوں پر بیل بوٹے اکیلے ہیں، مور کے پر اور مچھلی کے چانے بنائے ہیں اور پیپل کے پتے اور پھول سجائے ہیں۔۔۔۔ تو نے نہیں دیکھے ہیں" ایسے بوٹے بنائے ہیں جو میں ساری حیاتی اس بستی کے لیے بناتی رہی اور پھر ایسے بھی بنائے جو ابھی تک نہیں بنا سکی تھی اور وہ صرف ٹہنیوں میں چھپے تھے اور میں نے انہیں نکالا اور کہا کہ اس کے بعد تم باہر نہیں آؤ گے، میرا ہاتھ نہیں ہو گا تو کیسے آؤ گے اور وہ آئے۔۔۔۔ ایسے ایسے نرالے بوٹے ڈور گا۔۔۔ کہ میں دیکھتی تھی تو حیران ہوتی تھی کہ یہ کہاں تھے اور آج تک کیوں نہیں بنے۔۔۔ شائد انہیں بھی پتہ چل گیا تھا کہ اب سب کچھ سوکھنا ہے۔۔۔ ابھی باہر آتا ہے اس ٹہنی میں سے جس میں ہم چھپے ہیں اور وہ ہاتھ جو ہمیں الیکتا ہے بعد میں نہیں ہو گا۔۔۔"(۱۳)

پکلی اپنے فن میں ماہر تھی۔ اس نے آخری دن ایسے گھڑے بنائے اور ان پر ایسے بیل بوٹے بنائے جو پہلے کبھی نہیں بنے تھے۔ اس نے ہر گھڑے پر الگ الگ پھول بنائے تھے۔ وہ اپنے فن کو امر کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ دریا کے کنارے پڑے گھڑے ہوا کے زور سے دریا میں گر یں گے۔ ان پر ریت گرے گی۔ بعد میں کبھی پانی آئیں گے اور ان گھڑوں کی ٹھیکریاں گھا گھرا سے کسی اور جگہ جائیں گی اور لوگ دیکھیں گے کہ کتنے سوہنے اور پیارے بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ ان کو جس نے بنایا ہو گا وہ کس حال میں مرا ہو گا۔ اس کے بعد پکلی وہیں بیٹھے بیٹھے مر جاتی ہے اور اس

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

کو اسی کے بنائے ہوئے مرتبان میں ڈال کر دریا کے دوسرے کنارے چھوڑ آتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے پکلی کے ذکر سے اس کے فن کے حوالے سے معاشی تصور پیش کیا ہے۔

دھرو اس بستی کا باسی تھا۔ وہ مقدس زینو بیلوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ سارے بستی والے اس کے پاس چارہ چھوڑ جاتے تھے۔ وہ ان کو یہ چارہ کھلاتا تھا۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے بڑے بڑے پانی دیکھے تھے۔ اب وہ موت کے انتظار میں تھا۔ وہ نہ جانے کب سے یہ کام کر رہا تھا۔ اس کو خود بھی یاد نہ تھا، اس کی بھی اولاد نہ تھی۔ ناگری اس کی بیوی تھی۔ لیکن بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مر جاتا تھا۔ اس لیے اب وہ صرف بیلوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ دھرا کے حوالے سے اہم معاشی تصور پیش کیا ہے:

> ”اب تو اسے ناگری اور اپنے گھر میں ہونے والے بچوں کی شکلیں بھی یاد نہ تھیں صرف بیلوں کی تھوتھنیاں اس کے سامنے آتی تھیں، بیل جو لیٹے رہتے تھے اور جو گالی کرتے رہتے۔ چارے کا بندوبست سب کا سانجھا تھا پر اسے کاٹ کر بیلوں کے آگے ڈالنا دھرو اکا کام تھا اور ان کی لید کو صاف کرنا اور اگر وہ ڈھیلے پڑ جائیں تو ان کو خاص بوٹیاں کھلا کر پھر سے ہٹا کٹا کرنا یہ سب اس کا کام تھا۔“(۱۴)

دھرو اکو اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس کی زندگی جانوروں سے بھی کم تر ہے۔ جب پانی آتے تو بیلوں کے باڑے تک پہنچتے تو بیل کھڑے ہو کر آپس میں لڑتے، ایک دوسرے کو مارتے تو اس وقت دھرو اپھر باڑے کی صفائی کرنے اندر آتا اور پانی دھکیل دھکیل کر باہر نکال دیتا تھا۔ لیکن پانی آہستہ آہستہ آنا بند ہو گیا۔ بیل بھوک سے سوکھنے لگے۔ کیونکہ کھیتی نہیں تھی لوگوں نے چارہ دینا بند کر دیا تھا۔ بیل سوکھ کر مرنے لگے۔ زینو بیل لوگوں کی خوراک بننے لگے۔ یہ بات دھرو اسے برداشت نہ ہوئی تھی۔

ماتی بھی اس بستی میں رہتی تھی۔ ماتی کا پیشہ صرف کھیتی باڑی تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ماتی نے پاروشنی کو بھی پالا تھا۔ اس کے پاس کھیت تھے۔ وہ ان کھیتوں میں اپنے بیٹوں کے ساتھ جا کر کام کرتی تھی۔ زمین نرم کرتی اس میں بیج بوتی تھی۔ اس کے بعد کافی عرصہ اس بیج سے فصل بننے کا انتظار کرتی تھی۔ مستنصر حسین نے زراعت کے حوالے سے بھی معاشی تصور پیش کیا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

دریا میں پانی آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہوا تو اس کے کھیتوں تک بھی پانی نہ پہنچتا تھا۔ کیونکہ پانیوں میں اب وہ زور نہیں رہا تھا۔ پچھلے سال بھی اس کی زمین بڑی مشکل سے سیر اب ہوئی تھی اور اب کی بار بھی پانی اس کی زمین سے دور ہی واپس چلا گیا تھا۔ آہستہ آہستہ پانی آنا بند ہو گیا۔ بارش بھی نہ ہوئی تھی۔ ماتی نے زمین میں جو بیج بویا وہ وہیں سڑ گیا تھا۔ پانی نہ آنے سے زمینیں تباہ ہو گئی تھیں۔

گاگری پوری بستی والوں کے لیے " پرندوں کا شکار" کرتی تھی۔ وہ اپنے اس فن میں ماہر تھی۔ وہ ایک ماہر فنکار کی طرح پرندوں کا شکار کرتی تھی۔ گاؤں کے سب لوگ کنک، پھلیاں اور پھوگ کھاتے تھے اور کبھی کبھی مچھلی کا شکار بھی کر لیتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی گاؤں والے پرندوں کا گوشت بھی کھانا چاہتے تھے۔ تو پھر وہ گاگری کی منت کرتے تھے۔ پچھلے سال گاگری نے جب بڑے پانی آئے تھے تو ان کو گوشت کھلایا تھا اب بھی وہ کہہ رہے تھے کہ پرندوں کا گوشت لادے جب کنک آئے گی تو وہ ایک ایک کنک کا ٹوپا اس کو دے دیں گے۔ گاؤں میں اور بھی لوگ پھر تیلے تھے لیکن صرف گاگری کو وہ ہنر آتا تھا جو دوسروں کو نہیں آتا تھا۔ گاگری کے ہنر کے حوالے سے معاشی تصوریوں بیان کیا ہے:

> "پر یہ صرف گاگری میں تھا کہ وہ ہاتھ میں ڈنڈا لے کر جب پرندے کے پیچھے لپکتی تو وہ اڑان کرنا بھول ڈنڈے کی چوٹ کھا پھڑ پھڑ اس کے ہاتھوں میں آجاتا۔ گاگری نے کئی مرتبہ چاہا کہ کوئی دوسرا بھی یہ کام سیکھ لے پر کوئی نہ سیکھ پایا۔ ویسے اسے پرندے کو مارتے ہوئے کچھ ہوتا تھا، شاید دکھ ہوتا تھا۔"(۱۵)

گاگری کا مرد چیوا تھا۔ گاگری کے ہاں اولاد ہوئی تھی لیکن پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی۔ اسی وجہ جب وہ پرندوں کا شکار کرتی تو اس کو دکھ ہوتا تھا۔ چیوا کا کام بستی کی بھیڑ بکریاں چرانا تھا۔ وہ سارا دن بکریوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ چیوا گاگری کا مرد تھا۔ گاگری کے مرنے کے بعد وہ بھی من ماسا کی طرح جنگلوں میں نکل گیا تھا۔ صرف اس کی بکریاں اس کی جھونپڑی کے پاس رہتی تھیں۔ 'کومی' کا کام گوبر سے اپلے تھاپنا تھا۔ وہ اپلوں کو سکھا کر سب میں بانٹ دیتی تھی۔ کومی گوبر سے ایسے واقف تھی جس طرح پکلی مٹی سے واقف تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جانور کو کیا کھلایا جائے کہ اس کے بعد گوبر سے اپلے بنائے جائیں تو جلانے سے وہ دھواں نہیں دیتے۔ لیکن آگ زیادہ دیتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

"وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کتنا گوبر کتنی مٹی میں ملا کر لیپ دیں تو وہ پکا ہوتا ہے اور کیڑوں مکوڑوں کو دور رکھتا ہے۔ کیونکہ گوبر کے لیپ میں چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے پاس نہیں آتے۔۔۔"(۱۶)

"کومی" اپنے فن میں ماہر تھی لیکن جب بڑے پانی نہ آئے تو وہ اپلے بنا بنا کر دریا میں پھینکنے لگی۔ وہ ایسا کیوں کر رہی تھی کسی کو پتہ نہ تھا۔ شاید وہ اپنے فن کو امر کرنا چاہتی تھی۔ 'سکھی' تنور بھنجاتی تھی اور اپنی روٹی کے بدلے سب کی روٹیاں لگاتی تھی۔ ڈرو گا اس بستی کا نہ تھا وہ موہنجوڈارو سے ورچن کے پیچھے پیچھے اس بستی میں آیا تھا۔ ڈرو گا پیشے کے اعتبار سے مزدور تھا۔ وہ ایک بھٹے میں کام کرتا تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو آوے کے سامنے رکھ کر سکھایا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر اینٹیں بنانے لگی۔ ڈرو گا کی میا اور باوا اس کے بزرگ یہی کام کرتے آئے تھے۔ وہ دریائے سندھ کی مٹی سے اینٹیں بناتے تھے اور پتا نہیں کب سے بنا رہے تھے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"جب سے موہنجو والوں نے یہ جانا کہ کچی اینٹ کی دیوار یا بند بڑے پانی آنے پر گھل جاتے ہیں اور اگر اس اینٹ کو بھٹی میں چڑھا کر پکا لیں تو وہ پتھر سے بھی آگے ہو جاتی ہے کیونکہ پتھر سانس نہیں لیتا۔"(۱۷)

ڈرو گا نے اینٹیں تو بنائی تھیں پر وہ نہیں جانتا تھا کہ ان اینٹوں کو کس طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ ان سے گھر اور گلیاں کس طرح بنتی ہیں۔ کیونکہ وہ اور اس کے انگ ساگ پچھلے کئی ہزار سالوں سے اس بھٹے کی چار دیواری سے باہر نہیں گئے تھے۔ ڈرو گا کا کوئی وڈیرہ بھوک ہاتھوں ستایا اس بھٹے میں آ گیا تھا۔ پھر وہ باہر نہیں گیا تھا، لیکن ڈرو گا وہ پہلا انسان تھا جو اس چار دیواری سے باہر پھینک دیا گیا تھا۔ مستنصر حسین تارڑ نے اس ناول میں مزدور طبقہ کے ساتھ ساتھ سرمایہ داروں کے حوالے سے بھی معاشی تصور کو بیان کیا ہے۔ کہ وہ کس طرح مزدوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ڈرو گا اپنے مالک کے بارے میں بتاتا ہے:

"جس کے ہاتھوں میں اَن پانی اور چھاؤں چھپریوں اور موہنجو میں حویلیاں ہوں اور وہاں اس کے کنک کے گودام بھرے ہوں اور اس کے کامے پاؤں تلے اپنے جسے بجھاتے ہوں تو وہ میل کرنے دیتا ہے۔"(۱۸)

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

مصنف نے دکھایا ہے کہ آج سے کئی ہزار سال قبل بھی مزدوروں پر اسی طرح ستم ہوتا تھا جس طرح آج کے دور میں ہوتا ہے۔ مصنف نے اس ناول میں 'بارٹر سسٹم' یعنی زرمبادلہ کے نظام کے بارے میں بھی آگہی دی ہے۔ ناول "بہاؤ" میں ایسے دور کو دکھایا گیا ہے جب روپے پیسے کا کوئی تصور نہ تھا۔ لوگ چیزوں کے بدلے چیزیں خریدتے تھے۔ اس ناول میں بستی کے لوگ سانجھے پر کام کرتے تھے۔ اس کی واضح مثالیں کہیں کہیں کرداروں کے ذریعے پتا چلتی ہیں۔ پاروشنی نے جب پکلی سے جھجھر خریدی تو پکلی اس کو کہتی ہے:

> "تیری طرف چار جھجریں، تین گھڑے، دو ہانڈیاں، ایک چولہا اور ایک صحنک ہو گئی۔ کنک آنے پر یاد رکھنا۔"(۱۹)

پکلی نے اپنے برتن گندم کے دانوں کے بدلے دیے تھے۔ جب سمرو نے پاروشنی کو ایک ایسا منکا دیکھا جو پانی کے اندر اپنا رنگ بدل لیتا ہے تو اس وقت میں "زرمبادلہ" کے سسٹم کی جھلک نظر آتی ہے:

> "بہت دن ہوئے، اتنے دن کہ ابھی تو بھی نہیں تھی اور میں بھی نہیں تھا تو ادھر بیلوں پر سوار کچھ لوگ آئے تھے جن کے پاس ایسی چیزیں تھیں جو ہم نہیں جانتے۔ میری مَیّا نے سرخ سالو دے کر ان سے یہ منکا لیا تھا۔ پانی میں ڈالنے سے رنگ بدلتا تھا۔"(۲۰)
>
> سمرو کی مَیّا نے اپنی چادر دے کر رنگ بدلنے والا منکا خریدا تھا۔

ورچن اس ناول کا اہم کردار ہے یہ کسی پیشے سے وابستہ نہیں تھا لیکن پاروشنی کے ساتھ کھیتوں میں کام کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جب وہ مختلف جگہوں کی سیر کرتا ہے تو ہمیں مختلف پیشوں کا پتہ چلتا ہے۔ جو آج سے کئی ہزار سال پہلے موجود تھے۔ موہنجو ڈارو میں ہمیں بہت سے ملاح اور کھڈیوں پر کپڑا بننے والے جولاہے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ مزدور بھی جو موہنجو میں مکان بناتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آٹا پیسنے والے بھی نظر آتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے مختلف پیشوں کے بیان سے معاشی تصورات کو اس ناول میں پیش کیا ہے۔

مستنصر حسین تارڑ نے اس ناول میں بہت سے ذرائع معاش کا ذکر کیا ہے۔ جو ایک بستی میں رہتے ہوئے لوگوں نے اپنائے تھے۔ لیکن مصنف ان تمام پیشوں کو ایک بڑے پیشے سے جوڑ دیا ہے۔ یہ بڑا پیشہ زراعت کا ہے۔ کیونکہ اسی کے ساتھ سارے پیشے وابستہ ہوتے ہیں۔ جب دریاؤں کے پانی سوکھ گئے، کھیتوں کو پانی ملنا بند ہو گیا تو فصل آنا بند ہو گئی، لوگ بھوک سے مرنے لگے تو سارے بستی والے دریائے گھاگھرا کے کنارے آ گئے کیونکہ پانی نہ آنے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

سے فصلیں نہ اگتی تھیں۔ جب فصلیں نہ اگتی تھیں تو پھر دھروا کے زینو بیل بھی مر گئے۔ چیوا کی بکریاں مر گئیں۔ پکلی کے برتن بھی کسی کام کے نہ رہے۔ سمرو سے منکے اور مہریں بھی کوئی نہ لیتا تھا کیونکہ یہ صرف اسی وقت اچھی لگتی ہیں جب لوگ بیج بو دیتے اور فصل اگنے کا انتظار کرتے تھے۔ فصل نہ تھی تو پھر منکے اور مہریں اور کھیتی کے اوزار کس کام کے تھے۔ تنور پر روٹیاں نہ لگتی تھیں اور جانوروں کا گوبر بھی نہ ہوتا تھا۔

اس ناول میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ معاش کا سب سے بڑا ذریعہ آسمان سے گرتا ہوا بارش کا پانی اور دریا میں بہتا ہوا پانی ہے جب تک یہ 'بہاؤ' جاری رہے گا لوگ خوشحال رہیں گے اور اپنے اپنے پیشوں سے وابستہ رہیں گے لیکن اگر یہ 'بہاؤ' رک جائے گا تو پھر ریت کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ اس ناول میں ذرائع معاش نہ ہونے سے بڑھتی ہوئی بھوک کا بھی ذکر کیا ہے۔ جب لوگ بھوک سے مرنے لگتے ہیں تو پھر مقدس چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے ۔ ڈرو گا نے مقدس زینو بیلوں کے گوشت کو تیز دھار آلے سے اس لیے کاٹ لیا تھا کہ وہ اور بستی والے بھوک سے مر رہے تھے۔ ان مردہ بیلوں کو کیڑے مکوڑوں نے بھی کھانا تھا۔ اگر انسانوں کے کام آجائیں تو کوئی مذائقہ نہیں۔ ڈرو گا کی طرف دیکھ کر دھروا نے بھی سوچا کہ اس نے بھی کافی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔

حاصل کلام

ناول ''بہاؤ'' کے ذریعے ہم ق م کے نظام معیشت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول ''بہاؤ'' میں ۷۰۰ ق م سے متعلق معاشی تصورات کو پیش کیا ہے۔ اس ناول میں مجموعی پر دو طبقوں کے حوالے سے معاشی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ ایک امیر طبقہ اور دوسرا متوسط طبقہ ہے۔ اس لیے یہ ناول معاشی تصورات کے بیان کے حوالے سے ایک اہم ناول ہے۔ قاری ایک ایسے زمانے سے متعارف ہوتا ہے جب روپے کا کوئی تصور نہیں ہے۔ چیزوں کی خرید و فروخت بارٹر سسٹم کے ذریعے ہوتی ہے۔ ٹپری واس بھی بستیوں میں آتے ہیں جو مختلف چیزیں دے کر مقامی چیزیں لے جاتے ہیں۔ بستیوں کا سارا کام سانجھ کے ذریعے ہوتا ہے۔ ایک انسان پوری بستی کے لیے کام کرتا ہے۔ معاش کا سب سے بڑا ذریعہ بہتے ہوئے بڑے پانی اور آسمان سے گرتا ہوا بارش کا پانی ہے۔ انہی دو ذرائع کے ساتھ بستی کے تمام معاش جڑے ہوئے ہیں۔ جب یہ سوکھ جاتے ہیں تو ان سے منسلک باقی ذرائع معاش خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 3, Issue 2, (April to June 2022)

ماخذ تحقیقی مجلہ

حوالہ جات

۱۔ مستنصر حسین تارڑ، ناول نگار مستنصر حسین تارڑ سے ایک گفتگو، قرۃ العین طاہرہ، مشمولہ: تسطیر، جلد نمبر ا، سہ ماہی، شمارہ نمبر ۳ (مدیر: نصیر احمد ناصر) لاہور: جولائی، اگست ۱۹۹۰ء، ص ۳۰)

۲۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اردو ناول، ص ۳۳۴

۳۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص ۳۴۔۳۳

۴۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۴۳

۵۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۶۸

۶۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۲۲۸

۷۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۲۴۰

۸۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۲۸

۹۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۲۹

۱۰۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۴۴۔۴۳

۱۱۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۷

۱۲۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۲۴۸

۱۳۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۲۴۹

۱۴۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۵۲

۱۵۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۲۹

۱۶۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۹۶

۱۷۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۳۱

۱۸۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۲۳

۱۹۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۱۷

۲۰۔ مستنصر حسین تارڑ، بہاؤ، ص ۳۰